جامعات میں اُردو تحقیق پر ایک نظر

ثنا ہارون

Sana Haroon

Lecturer, Mass Communication Deptt.,

Govt. College University, Faisalabad.

Abstract:

The article under review focuses upon the quality of research being conducted by different universities. The significance of research along with the role of universities has also been highlighted. It encompasses not only the problems faced by the scholars but also indicates the requirement of raising the quality of research according to the international standards. It will help in establishing those facts which were excavated through the mutual efforts of the supervisor and the scholar. Its outcome will be beneficial not only for Urdu literature but also for the social reforms.

تحقیق ایک فن نہیں بلکہ ذہنی رویے اور طرزِ زیست کا نام ہے جو حقائق کی نئی دنیا منکشف کرتا ہے۔ اگر تحقیق کا مادہ نہ ہوتا تو آج بھی انسان پتھر کے دور میں زندگی گزارتا۔ تحقیق نے عقل انسانی پر نئے افق وا کیے اور نئی راہیں متعین کیں۔ ورنہ آج بھی سورج زمین کے گرد ہی گھوم رہا ہوتا۔ تحقیق کے بارے میں مشہور زمانہ محقق پال کہتا ہے:

> ''تحقیق کیا ہے؟ ایک منظّم و مربوط تلاش، غیر منکشف حقائق کی، ایک اندازِ کار، جس کے ذریعے لوگ مسائل کی گتھیاں سلجھاتے ہیں اور کوشاں رہتے ہیں کہ انسانی جہل و ناواقفیت کی سرحدیں پیچھے دھکیل دیں۔'' (۱)

ادب زندگی کا ترجمان ہے۔ جب تحقیق زندگی کا جُز ہے تو ادب اس سے کیوں کر الگ کیا جا سکتا تھا۔ ادب اور خصوصاً اُردو ادب کے حوالے سے دیکھا جائے تو تحقیق، ادب کا لازمی جُز ہے۔ متحدہ ہندوستان میں تحقیق کے حوالے سے شبلی نعمانی کے تذکرہ گلشنِ ہند ۱۹۰۶ء کو نقطہ آغاز کہا جا سکتا ہے۔ مولوی عبدالحق نے بھی تحقیق میں نام کمایا ہے لیکن یہ تحقیق کے وہ پیش رُو تھے جن کے سامنے کوئی باقاعدہ مثال نہ تھی۔ پنجاب یونیورسٹی کے قیام کے بعد ڈاکٹر لائٹنر اورینٹل کالج میں انتھروپالوجی اور لسانیات میں اعلیٰ درجہ کی تحقیق کے بانی تھے۔ لیکن جامعات کی تاریخ میں پنجاب یونیورسٹی، اورینٹل کالج کو جدید تحقیق کا مرکز اوّل قرار دیا جاتا ہے کیونکہ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں حافظ محمود شیرانی اور اُن کے ساتھ مولوی محمد شفیع اور ڈاکٹر محمد اقبال لندن سے تاریخی تحقیقی اُصولوں کا علم حاصل کر کے واپس لوٹے۔ اورینٹل کالج میں ان کی تقرری ہوئی۔ ان لوگوں نے تحقیقی مقالوں کا آغاز

کیا تو اُردو تحقیق کو اعتبار کی سند ملی۔ اس تحقیقی مرکز نے جدید تحقیق کے مطابق دستاویزات کی جانچ پرکھ کے اُصول وضع کیے۔ داخلی شہادتوں سے کسی دستاویز کے مسائل حل کرنے کے لیے اُصول بنائے گئے۔ صحت متن کی روایت قائم کی اور معیاری متون، جدید تدوین کے اُصولوں کی روشنی میں شائع کیے۔ اس علمی اور تحقیقی روایت سے پورا ہندوستان فیض یاب ہوا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، رشید حسن خان، قاضی عبدالودود جیسے نامور محقق اسی روایت کے پیروکار رتھے۔ ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر گیان چند، ڈاکٹر نذیر احمد، ڈاکٹر جمیل جالبی بھی اسی روایت سے وابستہ تھے۔ ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر سید عبداللہ کے شاگردوں میں سے تھے اس حوالے سے ان کا تعلق دبستانِ شیرانی سے تھا۔ (۲) ڈاکٹر صاحب بے خوف، صاف گو اور بے باک محقق تھے۔ یوں جامعہ پنجاب کو اُردو تحقیق میں اوّلین کا درجہ حاصل ہے۔ جامعہ پنجاب نے سندی تحقیق کا آغاز ۱۹۴۸ء میں کیا۔ چند برس بعد جامعہ کراچی میں بھی سندی تحقیق کا آغاز ہوا۔ ۱۹۷۳ء جامعہ پنجاب کی خوش قسمتی کا سال تھا کہ ڈاکٹر وحید قریشی جیسے محنتی، علم دوست شعبۂ اُردو کے صدر نشین ہوئے اور سندی تحقیق میں جامعہ میں انقلابی تبدیلیاں سامنے آئیں۔ خاکہ اور کتابیات کی تیاریاں نظر آنے لگیں۔ اس سلسلۂ تحقیق کی بعد میں ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر خواجہ زکریا اور ڈاکٹر سہیل احمد خان نے اپنے خونِ جگر سے آبیاری کی۔

جامعہ پنجاب میں پرائیوٹ رجسٹریشن کے ساتھ ساتھ باقاعدہ پی ایچ۔ڈی کلاسز کا سلسلہ شروع کیا گیا تاکہ تحقیق میں دلچسپی رکھنے والے اساتذہ اور طلباء کی علمی پیاس بجھائی جاسکے۔ یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔

جامعہ بہاءالدین زکریا ملتان میں جامعہ کے قیام کے ساتھ ہی شعبۂ اُردو کا آغاز ہوا۔ اس شعبہ نے آغاز ہی میں تحقیق پر توجہ مرکوز رکھی۔ ڈاکٹر انوار احمد جیسے نامور محقق اسی درس گاہ سے وابستہ رہے۔ ۲۰۰۶ء تک جامعہ بہاؤالدین زکریا سے پینتیس (۳۵) لوگ ڈاکٹریٹ مکمل کر چکے تھے۔ جبکہ چوبیس (۲۴) زیرِ تنقیح مقالہ جات تھے۔ ایم۔اے اور ایم۔فل کی سطح پر بھی تحقیقی مقالہ جات لکھے جارہے ہیں۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں ۱۹۷۶ء سے اُردو کلاسز کا اجرا ہوا اور ۱۹۸۷ء کا سال جامعہ کے شعبۂ اُردو میں یادگار ہے کہ اس سال پی ایچ۔ڈی پروگرام کا آغاز کیا گیا۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں شعبۂ اُردو نے ۱۹۸۷ء سے ایم۔فل پروگرام کا باقاعدہ آغاز ہوا جبکہ ۱۹۹۸ء سے پی ایچ۔ڈی پروگرام شروع کیا گیا۔

نمل (NUML) یونیورسٹی اسلام آباد میں ۲۰۰۱ء امتیازی حیثیت رکھتا ہے کہ اکیسویں صدی کے پہلے سال پی ایچ۔ڈی اور ایم۔فل اُردو کلاسز کا اجرا ہواء۔ اب تک اٹھائیس (۲۸) سکالر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔

باقاعدہ کلاسز کے علاوہ جامعات میں پرائیوٹ رجسٹریشن کا سلسلہ بھی جاری رہا اور وہ طالبانِ علم جن کی زیادہ تعداد تدریسی شعبہ کی بجائے دیگر شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ تھی اُن لوگوں کے لیے یہ سلسلہ چشمہ فیض ثابت ہوا کہ اُن لوگوں نے اس چشمہ سے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ نہ صرف اپنی صلاحیتوں کو جلا بخشی بلکہ اُردو تحقیق کا دامن بھی انمول موتیوں سے بھرا۔

جامعات کو اُردو زبان وادب کے مرکز کی حیثیت حاصل ہے اور تحقیق کا زیادہ تر کام جامعات میں ہی سرانجام پاتا ہے۔ یہ محقق کی تربیت گاہ کا کام دیتی ہیں۔ مگر صورتحال اس سے کہیں مختلف ہے۔ کیونکہ تحقیقی اقدار کی سب سے زیادہ موجودہ پامالی بھی جامعات کے تحت ہونے والی تحقیق میں ہوتی ہے۔ (۳)

تاریخ گواہ ہے کہ اُردو کے صفِ اوّل کے محققین مولوی عبدالحق، امتیاز علی عرشی، قاضی عبدالودود، مشفق خواجہ اور مالک رام کا تعلق کسی جامعہ سے نہ تھا۔ فی زمانہ ڈاکٹر انور سدید کا تحقیقی کارنامہ ''اُردو ادب کی تحریکیں'' اور ڈاکٹر علی ثنا بخاری کا شاہکار ''منٹو (تحقیق)'' جیسے اضافے نے بھی پرائیوٹ رجسٹریشن کی دین ہیں۔ پرائیوٹ رجسٹریشن کا سلسلہ ہائر ایجوکیشن نے ۲۰۰۵ء

میں ختم کر دیا مگر اس کی افادیت مسلمہ تھی۔ڈاکٹر گیان چند بھی اس تحقیق کو دوسری سے بالاتر سمجھتے ہیں۔بقول ڈاکٹر گیان چند: ''تحقیق کی بالاتر صورت وہی ہے جہاں ڈگری سے ہٹ کر آزمودہ کار اُستاد یا دوسرے محقق کسی موضوع پر کام کرنا چاہتے ہیں۔''(۴)

اُردو زبان میں تحقیق کا سلسلہ پاکستانی جامعات تک ہی محدود نہیں، بھارت کی تقریباً ساٹھ یونیورسٹیوں میں اُردو تحقیق کا سلسلہ رواں دواں ہے۔آج دُنیا گلوبل ویلج بن چکی ہے اُردو بولنے اور سمجھنے والوں کی بڑی تعداد موجود ہے اُردو میں تحقیق کی اہمیت وضرورت کو سمجھتے ہوئے امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، فرانس، بلجیئم، ترکی اور بنگلہ دیش کی جامعات میں بھی اُردو تحقیق ہو رہی ہے۔ہائر ایجوکیشن کمیشن (HEC) اسلام آباد نے بھارت اور پاکستان کی جامعات میں اُردو تحقیق کا جائزہ لیتے ہوئے ۲۰۰۸ء میں ایک رپورٹ جاری کی ہے جس کے مطابق اُردو میں اب تک چار ہزار تین سو چوہتر (۴۳۷۴) موضوعات پر کام ہو چکا ہے جس میں ایم۔فل، ڈی فل، پی ایچ۔ڈی اور ایم ایس کی ڈگریاں شامل ہیں۔تحقیقی مقالہ جات اور ڈگری کے علاوہ مختلف جامعات میں ادبی سیمینار اور کانفرنسز کا انعقاد بھی تحقیق میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے کہ قابل اور نامور محققین اپنے علمی و تحقیقی مقالہ جات سے سامعین کے ذوق کی تسکین کرتے ہیں وہاں نو آموز محققین میں تحقیق کا شوق بھی پیدا ہوتا ہے۔

جامعات میں اُردو تحقیق کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر جہاں مسرت کا احساس ہوتا ہے وہاں فکر کے سائے بھی دراز ہیں کیونکہ تحقیق کا معیار گر رہا ہے۔بہت سے بے روزگار جنھیں تحقیق سے ذرہ برابر دلچسپی نہیں وہ بھی وقت گزاری کے لیے جامعات میں داخلہ لے لیتے ہیں جس کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوتے کیونکہ ڈگری کے لیے علم کا حصول تحقیق میں اضافہ نہیں کر پاتا۔محنت سے جی چرانا محققین کا وتیرہ ہے۔جیسے تیسے ۲۰۰ صفحات لکھ کر مقالہ کا پیٹ بھرنا ہے۔جامعات کی تحقیق میں اور پہلو توجہ کا متقاضی ہے اور وہ ہے موضوعِ تحقیق۔جامعات کے اساتذہ کرام کا کام نو آموز محققین کی راہ نمائی اور حوصلہ افزائی ہے۔نگران اساتذہ کو طالب علم کی دلچسپی اور رجحان کو مدنظر رکھ کر موضوع کی طرف رہنمائی کرنی چاہیے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر گیان چند رقم طراز ہیں:

> ''انتخاب کی اصل ذمہ داری اساتذہ، صدرِ شعبۂ اُردو اور امکانی نگران کی ہے۔جہاں تک خواہانِ سند سے ہٹ کر دوسرے محققوں کا سوال ہے ان سے ہمارے مطالبات اور توقعات بلند ہیں کہ وہ زیادہ عالمانہ موضوعات پر قلم اُٹھا کر ایوانِ ادب کی بلندیوں کا خلا پُر کرنے کی ذمہ داری قبول کریں گے۔''(۶)

تکرارِ موضوع الگ مسئلہ ہے کہ ایک ہی جامعہ میں شعبۂ اُردو کے تحت ملتے جلتے ناموں سے ایک ہی موضوع پر کام ہو رہا ہے۔اس کی مثال علی گڑھ یونیورسٹی شعبۂ اُردو میں نظر آئی جہاں دو تحقیقی مقالوں پر درج ذیل عنوانات کے تحت کام ہو رہا تھا۔

۱۔مولانا اقبال سہیل کی علمی وادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ

۲۔اقبال سہیل کی ادبی خدمات

اسی سے ملتی جلتی ایک اور مثال ہے کہ دو مختلف مقالوں کے لیے ایک ہی شخصیت پر کام ہو رہا ہے۔موضوعِ تحقیق ہے:

۱۔سجاد ظہیر کی ادبی خدمات

اسی موضوع پر کسی دوسری یونیورسٹی میں کام ہوا ہے۔

۲۔سجاد ظہیر کے ادبی کارنامے

جامعات میں تحقیق عام طور پر شخصیات اور حیات وفن پر کی جاتی ہے۔ تحقیق شخصی تحقیق کے دائرے میں گردش کرتی رہتی ہے اور اس سے باہر نکلنا ہی نہیں چاہتی۔

مختلف جامعات کے شعبہ ہائے اُردو کے مابین رابطے کا فقدان بھی اس صورتحال کا ذمہ دار ہے۔ ہر جامعہ کو اپنے تحقیقی مقالہ جات کے عنوانات، مکمل اور زیرِ تکمیل کی فہرست جاری کرنی چاہیے۔ کمپیوٹر کی ایجاد نے اس سلسلے میں آسانیاں پیدا کر دی ہیں مگر اس سہولت سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اُٹھایا جا رہا جس کے نتیجے میں تکرارِ موضوع ایسی قباحت دیکھنے کو ملتی ہے۔

نئے موضوعات کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ لسانیات کی طرف توجہ کم ہے۔ اُردو ادب کا دُنیا کے معیاری ادبیات کے ساتھ تقابل بھی اہم موضوع ہے۔ تراجم کی افادیت سے انکار ناممکن ہے کہ اس سے اُردو کے قارئین دوسری زبانوں کے ادیبوں کی تخلیقات اور اُن کی فکر و دانش سے آگاہ ہو سکیں تاکہ ادبی تحقیق کا ثمر عام آدمی تک بھی پہنچے۔

بین العلومی تحقیق کو رواج دیا جائے تاکہ ادب کا دوسرے علوم سے رشتہ واضح ہو سکے۔ اُردو میں تخلیقی تحقیق کو رواج دیا جانا چاہیے کیونکہ تحقیق صرف حقائق جمع کرنے کا نام نہیں۔ تحقیق میں صرف بصارت سے کام نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے بصیرت درکار ہے تاکہ حقائق سے کسی منطقی نتیجہ تک پہنچا جا سکے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی رائے دیکھیں:

> ''اُردو تحقیق میں جس چیز کا فقدان رہا ہے اُس کا تعلق بصیرت سے ہے۔ اُردو حقائق کی اعلیٰ درجے کی تخلیق کرنے والے بصیرت والے بصیرت کا مظاہرہ کرنے سے محروم نظر آتے ہیں۔ وہ حقائق کا ڈھیر تو لگا دیں گے مگر اس ڈھیر سے نتائج اخذ کرنے اور نتائج سے کوئی بصیرت افروز نقطۂ نظر بنانے کی طرف توجہ مبذول نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو تحقیق اب تک اُسی مقام پر کھڑی نظر آتی ہے جہاں پر وہ ۱۹۴۷ء سے قبل دیکھی جا سکتی تھی۔''(۷)

گھسے پٹے موضوعات کی حوصلہ شکنی ہو تو اعلیٰ معیار کی تحقیق کا آغاز ہوتا ہے۔ جامعات کو اس طرف خاص توجہ کرنی چاہیے۔ محقق کا مالی فائدہ اپنی جگہ مگر اس کی خاطر اُردو تحقیق کا مستقبل داؤ پر لگانا کہاں کی دانش مندی ہے۔ جامعات میں تحقیق کا معیار درس گاہوں کے اساتذہ کے لیے ایک سوالیہ نشان ہے۔ اس غفلت کا شاخسانہ ہے کہ ہائر ایجوکیشن کے ایک اجلاس میں سوال اُٹھایا گیا کہ ادب میں پی ایچ۔ ڈی کا کیا جواز ہے؟ کیا اس سلسلے کو جاری رکھا جائے یا ختم کیا جائے؟

جامعات میں سنجیدگی سے تحقیق کی عمارت استوار کی جائے۔ ڈاکٹر وحید قریشی نے اپنے تجربات کی بنا پر جامعات میں کام کرنے والے نوآموز محققین کی سہل نگاری کا ذکر کیا ہے کہ اکثر محقق محنت سے جی چراتے ہیں اور مندرجہ ذیل کمزوریاں، اُن میں موجود ہیں۔

۱۔ حوالوں میں جعل سازی

۲۔ حوالوں کو قلم بند کرنے میں بے احتیاطی

۳۔ دوسروں کے کیے ہوئے کام کو معمولی ردّ و بدل سے اپنے ہاں سمو لینے کا رواج

۴۔ کتابیات کی ترتیب میں سائنٹیفک طریقے سے غفلت

۵۔ عدمِ احتیاط، چھپائی اور پروف ریڈنگ کی غلطیاں۔(۸)

فرسودہ روایت سے ہٹ کر تحقیق میں بھی سائنسی طرزِ فکر اور طرزِ استدلال کو رواج دیا جائے۔ نوآموز محققین کی ترتیب

اس طرح کی جائے کہ وہ بےغرض، بےلوث اور غیر متعصب رویہ کے مالک ہوں۔ جامعات میں محنت اور لگن کا فقدان ہے، پھر فضا بھی تحقیق کے لیے ہموار نہیں۔ کہیں کتابوں کا حصول مسئلہ ہے تو کہیں وقت کی کمی آڑے آتی ہے۔ تحقیق کے لیے سازگار ماحول مہیا کرنا جامعات کا اوّلین فرض ہے تاکہ محقق کے شوق اور جنون میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو۔ محنتی اور زیرک محقق آج بھی موجود ہیں صرف اُن کی رہنمائی کرنے والے کم ہیں۔ رہنمائی کا یہ فریضہ جامعات میں اساتذہ کے علاوہ کوئی نہیں سرانجام دے سکتا۔ اکثر جامعات میں صورتِ حال افسوس ناک ہے۔ نگران اساتذہ یہ توقع رکھتے ہیں کہ مبتدی اور نوآموز محقق ہر لحاظ سے مقالہ مکمل کر کے اُن کے سامنے رکھیں اور وہ اُس پر اپنے دستخط ثبت کر دیں تاکہ اُنھیں مالی فوائد حاصل ہوں۔ معاشی زاویہ اپنی جگہ لیکن یہ اساتذہ کرام کے منصب عالی کے خلاف ہے۔ ڈاکٹر رشید حسن خان اپنے مخصوص انداز میں اس صورتِ حال پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

> ''چوں کہ پی ایچ۔ڈی کے طلبہ کا نگران بننا بڑا اعزاز ہے اس لیے اس شرف کی باضابطہ تقسیم ہوتی ہے۔ اب جو جس کے حصے میں آجائے۔ ایک صاحب شعر کو بہ مشکل صحیح طور پر پڑھ سکتے ہیں، عروض سے ناآشنا ہیں اور لسانی مباحث سے ناواقف، مگر رہنمائی فرما رہے ہیں اُس طالب علم کی جو کسی قدیم دیوان کو مرتب کر رہا ہے۔ دوسرے بزرگوار فارسی سے کم آشنا ہیں لیکن راہنما ہیں اُس طالب علم کے جو تذکروں پر کام کر رہا ہے۔ اکثر صورتوں میں یہ ہوتا ہے کہ نگرانِ محترم کو اُس موضوع سے کم سے کم واقفیت ہوتی ہے جس کو اُن کے طالب علم کے سر منڈھ دیا گیا۔''(۹)

جامعات دانش کدہ ہیں اور استاد دانش ور۔ اس دانش کا فیض نوآموز محققین تک کیوں نہیں پہنچ پاتا اور وہ دریا کے کنارے ہوتے ہوئے بھی تشنہ لب رہ جاتے ہیں۔ مسئلہ وہی کہ نگرانِ کار اور طالب علم میں ذہنی ہم آہنگی نہیں۔ موضوع سے نگران صاحب بھی واقف نہیں اور طالبِ علم تو خیر نوآموز ہے نتیجہ کہ مقالہ کا پیٹ صفحات سے بھر دیا جاتا ہے مگر بصیرت ندارد۔ اس سلسلے میں شمیم احمد لکھتے ہیں:

> ''ایک فارغ التحصیل طالبِ علم کی کیفیت یہ ہے کہ مذاقِ علمی سے اُس کا دور کا واسطہ نہیں، ادبی شعور کا تو کیا ذکر ہے اور ادب کی افہام و تفہیم کا نہایت پست اور مبتذل مذاق رکھتا ہے۔ اس خطرناک رجحان کی پوری نہیں تو آدھی ذمہ داری علمی درس گاہوں کے بےتہہ محققوں کی تنقیدی بصیرت پر عائد ہوتی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ پی ایچ ڈی کے لیے جو مقالات منتخب کیے جاتے ہیں اُن میں سال پہلے کی غلط ادبی تعبیروں اور بدمذاقی کے اُگلے ہوئے نوالوں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ ان بھاری بھرکم ادبی مقالات میں ایک ایسی بات، ایک ایسا نکتہ جس کی حسرت ہی دل میں رہ جاتی ہے جو صاحبِ مقالہ کے اپنے تنقیدی شعور اور اندازِ فکر کا اظہار کرتا ہو۔ پی ایچ۔ڈی کا مقالہ یقیناً بی۔اے کا جواب مضمون نہیں ہونا چاہیے۔ اس کو ادب میں کم از کم ایک نئے نقطۂ نظر کا اضافہ ضرور کرنا چاہیے، مگر جب ان مقالات کے نگران محقق نمانقادوں کے پاس بھی اپنا کوئی نقطۂ نظر نہیں ہوگا تو ان کے منتخب کردہ مقالات میں کہاں

سے نظر آئے گا۔"(۱۰)

تحقیق کے راستے کا ایک اور پتھر طوالت ہے۔ کورس ورک تو ایک سال میں مکمل ہو جاتا ہے، مگر خاکہ بننا اور منظور ہونا ایک علیحدہ داستان ہے۔ پھر مقالہ کی تسوید، لٹکتے لٹکتے کئی سال گزر جاتے ہیں مگر ڈگری کا ہما محقق کے سر پر نہیں بیٹھتا۔ جامعہ پنجاب کی مثال لیجیے۔ یہ جامعہ جو تحقیق کا مرکز اوّل تھی وہاں آج یہ نوبت ہے کہ پی ایچ۔ ڈی کے طالب علم نو یا دس سال بعد ڈگری کا منہ دیکھ پاتے ہیں، کئی ایک بددل ہو کر کشتی بھنور ہی میں چھوڑ دیتے ہیں۔

تحقیق میں ممتحن حضرات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے ممتحن معیاری اور غیر معیاری مقالہ جات میں فرق روا نہیں رکھتے۔ ہر مقالہ پر ڈگری کی سفارش کر دی جاتی ہے۔ جب معیاری اور غیر معیاری میں تمیز نہ ہو تو اعلیٰ معیار کہاں سے وجود میں آئے گا۔ مقالہ مکمل ہونے کے بعد اشاعت کا مرحلہ ہے۔ مقالہ کتنا ہی اعلیٰ اور معیاری کیوں نہ ہو جب تک شائع ہو کر قبول عام کی سند حاصل نہ کر لے، اُس کا کیا فائدہ؟ مگر اشاعت کارِ گراں ہے کیوں کہ جامعات میں اس کا اہتمام نہیں اور محقق اشاعت کے مسائل اور وسائل سے واقف نہیں۔ مقالہ ہاتھ میں لیے در در کی خاک چھانتے ہیں تب کہیں قسمت یاوری کرتی ہے اور صاحبِ کتاب کہلاتے ہیں۔

یہ تو چند حقائق جامعات میں اُردو تحقیق کے حوالے سے بیان کیے ہیں ورنہ اس موضوع کے لیے تو ایک دفتر درکار ہے۔ پھر بھی کچھ پختہ عزم محقق اِن پُر پیچ راہوں اور خارزاروں سے گزرتے، اپنا رستہ بناتے اور کسی مشکل کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے منزلِ مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ سہرا بھی جامعات کے سَر ہے کہ اتنے پختہ کار محقق پیدا کر رہی ہے۔ تحقیق کا معیار اگر حوصلہ افزا نہیں تو مایوس کُن بھی نہیں۔ جامعات میں پی ایچ۔ ڈی اور ایم۔ فل میں داخلہ کے لیے آنے والوں کی لمبی قطاریں زبانِ حال سے پکارتی ہیں۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

حوالہ جات

۱۔ رفاقت علی شاہد، ڈاکٹر، مرتب: تحقیق شناسی، لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ۲۰۱۰ء، ص:۲۸

۲۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، محقق گر محقق، لاہور: الحمرا، دسمبر ۲۰۰۹ء، ص:۲۵

۳۔ رفاقت علی شاہد، ڈاکٹر، مرتب: تحقیق شناسی، ص:۱۹

۴۔ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۲۰۰۲ء، ص:۹۴

۵۔ رفیع الدین ہاشمی، جامعات میں اُردو تحقیق، اسلام آباد: ہائر ایجوکیشن، ۲۰۰۸ء

۶۔ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، ص:۱۰۴

۷۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، محقق گر محقق، ص:۲۸

۸۔ ایضاً

۹۔ رشید حسن خان، ڈاکٹر، ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۱۲ء، ص:۲۲۔۲۱

۱۰۔ شمیم احمد، تنقید کی کھڑاوٗں، اُردو تنقید، مرتب: اشتیاق احمد، لاہور: القمر انٹرپرائزز، ۲۰۰۹ء، ص:۴۰۹

(اس مقالہ کی تیاری میں انٹرنیٹ، جامشورو یونیورسٹی کے مجلّہ تحقیق بہاءالدین زکریا یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو کی فہرست سے مدد لی گئی)